International Journal of Human and Society (IJHS)

E-ISSN: 2710-4966	P-ISSN: 2710-4958
Vol. 6. No. 01 (Jan-Mar) 2026	Page 181-186

https://doi.org/10.5281/zenodo.19316013

ذیشان ساحل کی نثری نظم میں مکانیت، اشیا کی مظہریات، اور خاموشی کی جمالیات: ایک تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Hammad Niazi
Lecturer, Government Islamia College, Railway Road Lahore
hammadniazi1984@gmail.com

Abstract: *This research article presents a phenomenological and geo-critical analysis of the aesthetic, spatial, and theoretical foundations of Zeeshan Sahil's prose poetry, focusing on his collected works, Sari Nazmein. Diverging from the grandiose and cosmic metaphors of traditional Urdu poetry, Sahil's poetic narrative eschews metaphysical claims, revolving instead around the phenomenology of ordinary objects, the brutality of urban landscapes, and the profound isolation of modern human existence. The paper investigates the phenomenology of objects, the 'aesthetics of silence', post-colonial urban spatial metaphors, and eco-critical tragedies. The study posits that Sahil's poetry serves as an authentic, unconventional, and highly sensitive articulation of modern man's existential angst, alongside eco-critical and geo-critical realities, thereby elevating the prose poem from a mere structural experiment to a potent medium for communicating contemporary complexities.*

Keywords: ذیشان ساحل، نثری نظم، مظہریات، جغرافیائی تنقید (Geo-criticism)، ماحولیاتی تنقید (Eco-criticism)، خاموشی کی جمالیات، جغرافیائی استعارے، وجودی کرب

اردو شاعری کی روایتی جمالیات میں نثری نظم کی شمولیت محض ایک ہیئتی تجربہ نہیں تھا، بلکہ یہ دراصل انسانی حسیت کے اس نئے اور پیچیدہ ارتقا کا ناگزیر تقاضا تھا جسے کلاسیکی غزل یا پابند نظم کی مروجہ بحروں اور اوزان میں قید کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ ذیشان ساحل کی کلیات 'ساری نظمیں' (1) کا مطالعہ اسی نظری اور جمالیاتی تناظر میں ایک ایسی کھڑکی کھولتا ہے جو جدید انسان کے داخلی اور خارجی بحرانوں کے ان گنت مناظر کی طرف کھلتی ہے۔ نثری نظم، اپنی اصل میں، لفظوں کی صوتی بازگشت سے زیادہ ان کی معنوی اور بصری ترتیب پر انحصار کرتی ہے۔ یہ بحر کی خارجی پابندیوں کو مسترد کرتے ہوئے ایک ایسی داخلی لے کو دریافت کرتی ہے جو انسانی شعور کی بے ساختہ رو کے عین مطابق ہوتی ہے۔ ذیشان ساحل کا تخلیقی بیانیہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ قاری اشیا کو ان کی خالص اور برہنہ حالت میں دیکھنے کا ہنر سیکھے۔ ساحل اپنی نظم 'بے جان نظم' میں اسی شعری واردات کو کس قدر غیر روایتی اور چونکا دینے والے انداز میں بیان کرتے ہیں:

"یہ ایک بے جان نظم ہے / آپ کا کچھ نہیں بگاڑے گی / آپ کے راستے میں بھی نہیں آئے گی / ... آپ اس پر دل کھول کے ہنس سکتے ہیں / اتنا ہنس سکتے ہیں / کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں"۔ (2)

یہ محض ایک نظم کا تعارف نہیں بلکہ نثری نظم کی اس ہستی کا علامتی اظہار ہے جو بظاہر بے جان اور بے ضرر لگتی ہے مگر قاری کے باطن میں اتر کر اسے رلا دینے کی پوری طاقت رکھتی ہے۔

ذیشان ساحل کی شاعری کی اقلیم میں داخل ہونا کسی طلسم کدے کا دروازہ کھولنے کے مترادف نہیں ہے جہاں دیومالائی شہزادے، ماورائی کردار یا اڑن کھٹولے آپ کے منتظر ہوں، بلکہ یہ ایک ایسے نیم تاریک، خاموش اور قدرے خنک کمرے میں قدم رکھنے کے مترادف ہے جہاں کھڑکی کے شیشوں پر بارش کی بوندیں ایک عجیب سی اداس اور مدہم لے میں مسلسل دستک دے رہی ہوں۔ اردو شاعری، جو صدیوں تک میر کے نشتر، غالب کی کائناتی وسعتوں اور اقبال کے پرشکوہ خطابات کی عادی رہی تھی، اس کے لیے ذیشان ساحل کی آواز ایک بالکل انوکھا اور حیران کن تجربہ تھی۔ انھوں نے کائنات کے عظیم الشان اسراروں کو کھوجنے کے لیے آسمانوں کی طرف دیکھنے کے بجائے، اپنی نظریں اس زمین پر، اس کمرے کے فرش پر، گلی کے نکڑ پر اور اس میز پر مرکوز کر دیں جہاں زندگی اپنی تمام تر بے بسی اور خاموشی کے ساتھ بکھری پڑی تھی۔

ذیشان ساحل کا تخلیقی معجزہ ان بلند آہنگ دعووں اور پرشکوہ استعاروں میں ہرگز پوشیدہ نہیں جو ایک طویل عرصے تک غزل اور پابند نظم کا طرۂ امتیاز سمجھے جاتے رہے، بلکہ ان کا کمال معمول (Ordinary) کی ایک ایسی غیر معمولی اور حیرت انگیز بازیافت میں پنہاں ہے جو قاری کو روزمرہ کی بے مایہ اور حقیر سمجھی جانے والی اشیا کے اندر چھپے ہوئے وجودی کرب سے متعارف کرواتی ہے۔ ساحل نے اردو شاعری کو ایک نئی، اچھوتی اور خالص اشیا کی فینومینالوجی دی ہے۔ ان کے ہاں میز پر رکھا ہوا ایک چائے کا خالی کپ، کسی پرانی قمیض کا ٹوٹا ہوا بٹن، ایک زنگ آلود چابی، بس کا کٹا ہوا ٹکٹ، الیکٹرک گٹار، کاربن پیپر یا فرش پر گری ہوئی کوئی سوئی محض بے جان مادی اشیا نہیں ہیں؛ یہ دراصل انسانی رشتوں کی شکستگی، وقت کی بے رحمی، اور یادوں کے ملبے کے وہ خاموش مگر زندہ استعارے ہیں جو اپنے اندر پوری ایک انسانی تاریخ کا بوجھ سمیٹے ہوئے ہیں۔ وہ ان بظاہر بے وقعت اور بھلادی گئی چیزوں پر اپنی توجہ کی وہ طلسماتی روشنی ڈالتے ہیں کہ یہ اشیا اپنے مادی خول سے باہر آکر سیدھی ہمارے لاشعور اور احساس کے تاروں سے الجھ جاتی ہیں۔ جب وہ کسی زنگ آلود چابی یا خالی پنجرے کا ذکر کرتے ہیں، تو وہ دراصل ان مقفل دروازوں اور اڑ جانے والے رشتوں کا نوحہ لکھ رہے ہوتے ہیں جن کے پیچھے ہماری ادھوری خواہشات دفن ہیں۔ وہ اشیا کے متروک ہو جانے کے عمل کو انسان کے متروک ہو جانے کے عمل کے ساتھ اس طرح جوڑتے ہیں کہ قاری ایک گہری وجودی لرزش محسوس کرتا ہے۔

ذیشان ساحل کی شاعری کا ایک نہایت اہم پہلو ان کے ہاں موجود شہری منظر نامے اور مکانیت (Spatiality) کے نظری مباحث ہیں۔ جدید ادبی تنقید، بالخصوص جغرافیائی تناظر میں دیکھیں تو ذیشان ساحل کے ہاں شہر اور اس کا جغرافیہ محض ایک پس منظر یا بے جان اسٹیج نہیں ہے، بلکہ شہر اور اس کے پھیلتے ہوئے خدوخال خود ایک زندہ، متحرک اور بعض اوقات سفاک کردار کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں سڑکیں، پل، ٹرینیں، عجائب گھر، ریلوے لائنیں اور دکانیں محض شہری سہولیات نہیں، بلکہ یہ جدید انسان کی نفسیاتی اور سماجی تنہائی کے استعارے بن چکے ہیں۔ ساحل اپنی نظم 'لینڈ اسکیپ' میں اس شہری بیگانگی کی تصویر یوں کھینچتے ہیں:

"پل پر سے گزرتے ہوے / میں چاند کو پورا ہوتے ہوے دیکھتا ہوں / اور تمھاری یاد مجھے آدھا کر دیتی ہے / اجنبی لوگوں سے بھری ہوئی ٹرین / میرے اور باقی دنیا کے درمیان / پوری رفتار اور آواز سے حائل ہو جاتی ہے"۔(3)

یہاں ٹرین سفاک مشینی رکاوٹ ہے جو فرد کو نرم جذبوں سے کاٹ دیتی ہے۔

اسی طرح شہر کی سفاکیت کا احساس ان کی نظم 'سڑکوں پر' میں اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے:

"ایک سرورات شہر میں داخل ہوتی ہے / ... سفید روشنی اور جمے ہوے تارکول میں سے / خون کی خوشبو محسوس ہونے لگتی ہے"۔(4)

تارکول سے خون کی خوشبو کا آنا، شہر کے اس استحصالی اور خونی انفراسٹرکچر کی طرف واضح اشارہ ہے جسے جدیدیت نے انسان پر مسلط کر دیا ہے۔ ایک اور نظم 'مونجودڑو' میں وہ پرانے کھنڈرات کے واسطے سے اپنے موجودہ شہر کے کھوکھلے پن کو عیاں کرتے ہیں:

"پھیلے ہوے چہروں والے مجسمے / اور ٹوٹے ہوے کھلونے عجائب گھر میں رکھے ہیں... میں نے یہ شہر نہیں دیکھا / مگر مجھے لگتا ہے جیسے میں اس شہر میں رہتا ہوں"۔(5)

اسی شہری منظر نامے کی سفاکیت کے متوازی، ذیشان ساحل کی شاعری میں ماحولیاتی شعور کا ایک گہرا احساس بھی پوری شدت سے موجزن ہے۔ ان کے ہاں فطرت، پرندوں، جانوروں کا ذکر محض رومانوی فرار نہیں، بلکہ یہ اس ماحولیاتی اور وجودی المیے کا نوحہ ہے جو جدید مشینی تہذیب نے انسان اور فطرت کے درمیان حائل کر دیا ہے۔ نظم 'نیشنل پارک' اس ایکولاجیکل بحران کی کاٹ دار عکاسی کرتی ہے: "اخبار میں آیا ہے / کچھ عرصے کے لیے بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث / تمام جانوروں کو شہر سے باہر / نیشنل پارک میں منتقل کر دیا جائے گا"۔ شہر کے شور و غل اور خوف کے مارے فطرت کی علامتیں کیسے دم توڑ رہی ہیں، اس کا اندازہ ساحل کی نظم 'کبوتر'(6) اور 'چڑیوں کا شور'(7) سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ایک شکاری کا آنا اور پرندوں کا خوف سے مر جانا، دراصل اس جبر کی داستان ہے۔ لیبارٹری کے اندر سائنسی تجربات کی بھینٹ چڑھنے والے جانوروں پر ساحل کا نوحہ ایکو-کریٹیکل فکر کی ایک اور جہت ہے، نظم 'تجربہ گاہ میں ایک موت' میں وہ لکھتے ہیں:

"کسی طرح جو یہ تمام جانور مر جائیں / تو پھر تجربہ گاہوں میں کس کی باری آئے گی"۔(8)

یہ محض جانور کی موت نہیں، بلکہ انسان کی اپنی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

ان کی نثری نظم کا ایک انتہائی پراسرار اور سحر انگیز پہلو ان کی 'خاموشی کی جمالیات' ہے۔ ذیشان ساحل کے ہاں نظم محض ان الفاظ سے نہیں بنتی جو صفحے پر سیاہی کی صورت لکھے گئے ہیں، بلکہ ان نادیدہ اور ان کہے وقفوں (Pauses) سے بھی تشکیل پاتی ہے جو دو مصرعوں یا دو خیالوں کے درمیان چھوڑ دیے گئے ہیں۔ ساحل کی شاعری پڑھنا دراصل اس خاموشی کو سننا ہے جو لفظوں کے ختم ہونے کے بعد قاری کے ذہن میں گونجتی رہتی ہے۔ یہ اچانک ختم ہو جانے والی نظمیں دراصل اس ادھورے پن کا نوحہ ہیں جو جدید انسان کا مقدر بن چکا ہے۔ وقت اور یادداشت کا برتاؤ ساحل کے تخلیقی کارخانے کا ایک ایسا پراسرار باب ہے جہاں ماضی، حال اور مستقبل اپنی روایتی خطی لکیروں سے آزاد ہو کر ایک ہی دائرے میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ ان کی نظموں میں وقت کی رفتار بہت دھیمی، بوجھل اور بعض اوقات مکمل طور پر ٹھہری ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ساحل کا بصری کینوس ایک ایسے مصور کی یاد دلاتا ہے جس نے اپنے پیلیٹ سے شوخ رنگوں کو نکال دیا ہو۔ بارش، جو روایتی شاعری میں وصل کی علامت ہے، ساحل کے ہاں آ کر ایک ایسی سرد اور بے رحم قوت بن جاتی ہے جو انسان کی ہڈیوں تک میں اترنے والی اداسی پیدا کرتی ہے۔

ساحل کے متکلم کی ساخت پر غور کیا جائے تو ایک انتہائی نازک،

شفاف اور بے حد خائف شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ساحل کا یہ 'میں' کوئی عظیم ہیرو نہیں؛ یہ وہ عام سا انسان ہے جسے بارش میں بھیگنے سے سردی لگتی ہے اور جو دنیا کے شور وغل سے بچنے کے لیے کسی نرم اور گرم لحاف میں چھپ جانا چاہتا ہے۔ ساحل کی جمالیات میں محبت کا تصور بھی اسی حسی اور نازک رویے کے تابع ہے۔ ان کے ہاں محبت ایک کچی، نازک اور لمحاتی خوشی ہے جو ہر وقت ٹوٹ جانے کے اندیشے میں گرفتار رہتی ہے۔ نظم 'محبت میں دیر ہو سکتی ہے' میں وہ رقم کرتے ہیں:

"ایک خوبصورت لڑکی کے لیے / محبت میں دیر ہو سکتی ہے"۔(9)

وہ محبت کو ایک انتہائی مشکل اور محنت طلب زمینی عمل کے طور پر دیکھتے ہیں۔

ذیشان ساحل کی شعری جمالیات میں مکانیت اور جغرافیائی استعاروں (Geographical Metaphors) کا برتاؤ جدید شہری زندگی کے نوآبادیاتی اور استحصالی پھیلاؤ کی نہایت عمیق عکاسی کرتا ہے۔ ان کے ہاں شہر محض ایک طبعی یا خارجی وجود نہیں بلکہ ایک ایسا پیچیدہ جغرافیائی جال ہے جس نے فرد کی داخلی آزادی اور فطری جبلتوں کو محصور کر دیا ہے۔ بلند و بالا عمارتیں، سڑکوں کا تارکول، اور ریلوے لائنیں جدید انسان کی عمودی اور افقی تنہائی کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ذیشان ساحل ان مادی خدوخال کو ایک ایسے جغرافیائی جبر کے طور پر پیش کرتے ہیں جہاں انسان اپنے پڑوسی، اپنی دھرتی اور سب سے بڑھ کر اپنے اصل سے کٹ کر ایک لایعنی مشقت کا شکار ہو چکا ہے۔ یہ مکانیت فرد کو پناہ گاہ فراہم کرنے کی بجائے اس کے اندر ایک مستقل بے گھری کا احساس پیدا کرتی ہے، جو مابعد جدید عہد کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

ذیشان ساحل کے جغرافیائی استعاروں کی ایک اور اہم جہت وہ سیاسی اور ریاستی کنٹرول ہے جو ان طبعی مقامات پر مسلط ہے۔ ان کے بیانیے میں دفتری عمارتیں، عجائب گھر، سنسر شدہ مقامات اور قید خانے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ جدید ریاست کس طرح طبعی اور نفسیاتی دونوں محاذوں پر فرد کو محدود کرتی ہے۔ سڑکوں پر بہتا ہوا غیر مرئی تشدد اور رات کی تاریکی میں دبے ہوئے شہر، اس جغرافیے کو ایک خاموش عقوبت خانے میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ذیشان ساحل اپنے استعاروں سے یہ دکھاتے ہیں کہ جب زمین کے کسی ٹکڑے پر اقتدار اور خوف کا سایہ گہرا ہو جائے تو وہ مقام انسان اور فطرت دونوں کے لیے ایک ممنوعہ علاقہ بن جاتا ہے، جہاں پرندے بھی آزادانہ گیت نہیں گا سکتے اور انسان کو رونے کے لیے بھی رات کے اندھیرے کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔

خارجی اور وسیع جغرافیائی جبر کے متوازی، ذیشان ساحل کی شاعری میں داخلی جغرافیہ یعنی بند کمرے، کھڑکیاں، دروازے اور سیڑھیاں بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ محدود مقامات (Confined Spaces) ایک ہی وقت میں پناہ گاہ اور قید خانے کی علامت بن کر ابھرتے ہیں۔ بارش کی بوندوں کا شیشے پر گرنا، مقفل دروازوں کے پیچھے کی خاموشی، یا اجنبی ٹرین کا گزرنا فرد کی اس حد درجہ بیگانگی کو ظاہر کرتا ہے جو اس وسیع و عریض دنیا میں اس کے حصے میں آئی ہے۔ ذیشان ان داخلی اور خارجی جغرافیائی خطوط کو اس قدر مہارت سے آپس میں ہم آمیز کرتے ہیں کہ مکان اور لامکان کا فرق مٹ جاتا ہے اور قاری یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اصل قید خانہ وہ علاقہ یا شہر نہیں جو باہر پھیلا ہوا ہے، بلکہ وہ خوف اور تنہائی ہے جس نے انسان کے باطن کا پورا جغرافیہ اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔

ذیشان ساحل ریاستی جبر، سنسر شپ اور سیاسی استبداد کو نعرے بازی یا بلند آہنگ بیانات کے بجائے انتہائی دھیمے، مگر کاٹ دار لہجے میں

بے نقاب کرتے ہیں۔ وہ جدید ڈکٹیٹر شپ کو روایتی ظالموں کے روپ میں نہیں، بلکہ دفتری احکامات اور سرکاری پالیسیوں کی سرد مہری میں دیکھتے ہیں۔ ان کی نظم 'نئی پالیسی' اس استبدادی اور فاشسٹ نظام کا ایک ہولناک خاکہ پیش کرتی ہے جہاں ریاست انسانوں کے ساتھ ساتھ فطرت پر بھی اپنا کنٹرول مسلط کرنا چاہتی ہے:

"تمام چھوٹے اور بڑے پرندے / صبح صبح گیت گایا کریں گے … سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے / سرکاری میلے اور عوامی تقریبات / ختم ہو جایا کریں گے / رات کے اندھیرے میں / اگر ہم چاہیں تو خاموشی سے روسکتے ہیں"۔(10)

یہ جبر کی وہ انتہا ہے جہاں انسان کی تنہائی اور اس کے رونے کی آزادی بھی ریاست کی اجازت اور رات کے اندھیرے سے مشروط کر دی گئی ہے۔ اسی طرح، سنسر شپ اور حقائق کو مسخ کرنے کے ریاستی عمل کو وہ نظم 'کاربن' میں ایک عام دفتری شے (کاربن پیپر) کی مدد سے یوں ظاہر کرتے ہیں:

"کاربن پیپر پہ لکھا ہے / ہمارے بارے میں سرکاری بیان کا کچھ حصہ … کاربن کی ایک قسم پنسل بنانے میں استعمال ہوتی ہے / مگر ان دنوں وہ سیاہ کاغذ پر چاک سے / اپنے تمام فیصلے اور ہماری کہانیاں لکھ دیتے ہیں"۔(11)

یہ نظمیں اس بات کی واضح اور تلخ گواہی ہیں کہ جدید ریاست کس طرح فرد کی کہانی، اس کے خوابوں اور اس کے وجود کو سرکاری فائلوں کی سیاہی میں دبا کر مٹا دیتی ہے۔

اس سیاسی استبداد کے ساتھ ساتھ، ساحل کے ہاں تشدد کا لامتناہی دائرہ اور طاقت کا بے رحم کھیل بھی ایک مستقل موضوع کے طور پر موجود ہے۔ وہ اس جبر کو ایک ایسی بساط کے طور پر دیکھتے ہیں جہاں معصومیت کو محض طاقت کے اظہار کے لیے کچل دیا جاتا ہے۔ نظم 'شطرنج' میں وہ عالمی اور ریاستی سیاست کی اس سفاکیت کو ایک سفید کبوتر کے استعارے سے کس قدر ہولناک بصری شکل (Visual Imagery) میں پیش کرتے ہیں:

"تم نے ایک سفید کبوتر کو / گردن سے پکڑ کے / بساط پر پھینکتے ہوئے کہا… مات / کبوتر کے دل سے ٹپکتے ہوئے خون کے قطرے / میں ایک سیاہ رومال میں جذب کر لیتا ہوں"۔(12)

یہ اقتدار کا وہ خونی کھیل ہے جس میں بساط پر پٹنے والا مہرہ کوئی بے جان شے نہیں بلکہ دھڑکتا ہوا وجود ہوتا ہے۔ دوسری طرف، نظم 'قیدی کی دوربین' میں ساحل اس ریاستی تشدد کے کھوکھلے پن اور اس کے انجام پر ایک گہری وجودی چوٹ کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ جبر کا آلہ استعمال کرنے والا خود بھی اسی مشینری کا ایک عارضی اور حقیر پرزہ ہوتا ہے:

"فائرنگ اسکواڈ کے سپاہی نے / مار دیے گئے قیدی کے سامان میں سے ایک دوربین اٹھائی / مگر پھر وہ بھی ایک دن اس قیدی کی طرح مارا گیا / اور یہ دوربین مجھے مل گئی"۔(13)

تشدد کی اس اندھی وراثت کو ساحل نے جس سادگی، غیر جذباتی اور سپاٹ انداز میں بیان کیا ہے، وہ قاری کے ذہن میں جدید تاریخ کے ان گنت خونی ابواب کو ایک ساتھ روشن کر دیتا ہے اور ان کے نظری بیانیے کو مزید وسعت عطا کرتا ہے۔ 'محمود درویش کے لیے خط'(14) میں وہ فلسطینیوں کے دکھ کو اپنی دھرتی کی اداسی سے جوڑتے ہیں، اور 'فائرنگ اسکواڈ کا گیت'(15) کے ذریعے ریاستی مشینری کی سفاکیت کو ایک عالمگیر انسانی المیے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر، ذیشان ساحل کی نظمیں جدید اردو ادب کا ایک ایسا

اہم اظہاریہ ہیں جو جدید شہر کے پھیلاؤ میں دبے ہوئے انسان کا المیہ، فطرت اور انسان کے ٹوٹتے رشتوں کا نوحہ، اور دورِ جدید کے انسان کے وجودی کرب کا بے ساختہ اظہار پیش کرتی ہیں۔ ساحل کی یہ نظمیں اس بات کی گواہی ہیں کہ شاعر نے لفظوں کو محض سجایا نہیں ہے، بلکہ ان سے ایک ایسی فضا تخلیق کی ہے جہاں جدید انسان کا درد، اس کی تنہائی، اور اس کی مزاحمت اپنے تمام تر خالص پن کے ساتھ سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ ذیشان ساحل کی نثری نظمیں اس پر آشوب دنیا میں محبت، اداسی اور انسانی ملائمت کی وہ آخری اور محفوظ ترین پناہ گاہ ہیں، جو اردو ادب کے دامن پر تادیر ایک انمٹ ستارہ بن کر چمکتی رہیں گی۔

حوالہ جات:

۱۔ ذیشان ساحل، ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء۔

۲۔ ذیشان ساحل، "بے جان نظم"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۰۔

۳۔ ذیشان ساحل، "لینڈ اسکیپ"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۷۴۔

۴۔ ذیشان ساحل، "سڑکوں پر"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۴۳۔

۵۔ ذیشان ساحل، "موئنجو دڑو"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۴۶۔

۶۔ ذیشان ساحل، "نیشنل پارک"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۵۳۔

۷۔ ذیشان ساحل، "کبوتر"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۵۵۔

۸۔ ذیشان ساحل، "چڑیوں کا شور"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۷۷۔

۹۔ ذیشان ساحل، "تجربہ گاہ میں ایک موت"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۷۳۔

۱۰۔ ذیشان ساحل، "محبت میں دیر ہو سکتی ہے"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۸۸۔

۱۱۔ ذیشان ساحل، "نئی پالیسی"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۶۷۔

۱۲۔ ذیشان ساحل، "کاربن"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۶۲۔

۱۳۔ ذیشان ساحل، "شطرنج"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۶۸۔

۱۴۔ ذیشان ساحل، "قیدی کی دور بین"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۴۰۔

۱۵۔ ذیشان ساحل، "محمود درویش کے لیے خط"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص ۶۵۔

۱۶۔ ذیشان ساحل، "فائرنگ اسکواڈ کا گیت"، مشمولہ: ساری نظمیں، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۱۱ء، ص۸۵۔